ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

مجیب الرحمٰن شاہ

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور

ڈاکٹر روبینہ رفیق

پروفیسر (ر)، شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور

ڈاکٹر انوار احمد بہ طور کالم نگار

Mujeeb ur Rehman Shah
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Islamia University Bahawalpur.
Dr. Robina Rafiq
Professor ®, Department of Urdu, Islamia University Bahawalpur.

Dr. Anwar Ahmad as a Columnist

Dr Anwaar Ahmad is a columnist, critic and a famous short storywriter. He wrote the columns in "Daily Duniya" with the title "wada Khilafi". He also writes in the online newspaper "Gird o paish". His columns are full of beautiful sentences, and thought provoking topics and ideas. His criticism on the present situations paves the paths for radical thinking and mindfulness. The specificity of these columns is nutrition and training of the intellect. These columns are assets for the future. This research artical reflects the contribution of Anwar Ahmad in journalism. In this article, some bright and specific aspects of his columns writing have been stated.

Key Words: *Anwar Ahmad, columns, columnist, wada khilafi, daily Dunia, Gird o paish, online paper.*

حالات حاضرہ پر لکھنا، ان کا تجزیہ کرنا، ان پر اپنی رائے دینا، پیش بینی کرنا یہ سب چیزیں کالم نگاری کے لوازمات ہیں۔ اپنے قاری کو باخبر رکھنا کالم نگاری کی روح ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد نے مختلف اوقات میں مختلف وقتوں کے ساتھ مختلف اخبارات میں کالم نگاری کی ہے۔ کالم نگاری ان کے کام کا بنیادی حوالہ نہیں ہے۔ ان کے کام اور خدمات کا بنیادی حوالہ ان کا شعبہ تدریس سے منسلک ہونا ہے۔ پھر بھی ان کی کالم نگاری متنوع الجہات، پرکشش اور قاری کو باخبر رکھنے میں اپنی مثال آپ ہے۔

ڈاکٹر انوار جب چوتھی جماعت کے طالب علم تھے اس وقت ایک دودھ فروش کے ہاں (جن کا نام عبد الغنی تھا) کراچی سے شائع ہونے والے دو اخبار "انجام" اور "جنگ" آتے تھے۔ ڈاکٹر انوار احمد بڑے شوق سے ان اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے۔ اُن اخباروں میں اس وقت کے معروف ادیب شوکت تھانوی اور ابراہیم جلیس لکھا کرتے تھے۔[۱]

ڈاکٹر انوار احمد نے زمانہ طالب علمی میں ہی روز نامہ "امروز" میں لکھنا شروع کر دیا اور ۱۹۷۰ء میں کوئی ڈیڑھ دو ماہ کے لیے اس کہ ڈیسک پر بھی کام کیا۔ اُن دنوں روزنامہ "امروز" کے مدیر مسعود اشعر تھے۔[۲]

جاپان سے واپسی پر آپ نے معروف صحافی رؤف کلاسرہ کے آن لائن اخبار "ٹاپ سٹوری" میں کالم لکھنا شروع کر دیے جسے علمی اور ادبی حلقوں میں بڑی پزیرائی ملی۔[۳]

ستمبر ۲۰۱۲ء میں جب میاں عامر محمود کی ادارت میں روزنامہ "دنیا" شروع ہوا تو ڈاکٹر انوار احمد نے "وعدہ خلافی" کے عنوان سے کالم لکھنا شروع کیے اور یہ کالم نگاری کا ایک نیا باب تھا۔ روزنامہ دنیا کے ای پیپر ریکارڈ کے مطابق آپ نے ایک سو پچیس کالم لکھے اور ان میں پہلا کالم ۹ ستمبر ۲۰۱۲ء کو "بیگم بی بی بقلم خود" کے عنوان سے لکھا اور روزنامہ دنیا میں آخری کالم ۱۵-مئی ۲۰۱۳ء کو "المیہ یا طربیہ" کے عنوان سے لکھا۔

"وعدہ خلافی" عنوان کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

> " ایک گرامی قدر استاد نے مجھ سے وعدہ لیا تھا چاہے کیسے ہی حالات کیوں نہ ہو جائیں، کالم کبھی نہ لکھنا، تنخواہ یا پینشن ہی کیوں نہ بند ہو جائے، کسی ہجو نگار سے قصاص ہی کیوں نہ مقصود ہو، دوست تمہارے طول کلام سے ایک ایک کر کے رخصت کیوں نہ ہو جائیں، پاپی پیٹ کی خاطر کسی موجود یا متوقع بھابھی کی کوفتہ سازی کی تعریف کرنے کی مجبوری ہی کیوں نہ لاحق ہو جائے، خواہ یہ احساس ہونے لگے کہ تخلیقی کتب اپنی روایت کی دوسری صف میں بھی جگہ نہیں پا سکیں، کبھی کالم نگاری پر نہ اترانا مگر اب دوستوں کے کہنے پر میں اپنی دانست میں کالم نگار بننے کی کوشش کر رہا ہوں تو خیال آیا کہ کالم کا عنوان "وعدہ خلافی" کیوں نہ رکھ لیا جائے۔"[۴]

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

۲۰۱۳ کے انتخابات کے موقع پر آپ نے نواز شریف کے خلاف ایک تیز کالم لکھا۔ جس کو شائع ہونے سے روک دیا گیا۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا، کہ ارباب بست و کشاد کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں روزنامہ دنیا میں "وعدہ خلافی" کے عنوان سے اپنا کالم نہیں لکھوں گا۔ [۵]

ملتان کا پہلا آن لائن اخبار "گرد وپیش" ہے۔ جس کا آغاز ۵-دسمبر ۲۰۱۶ سے ہوا۔ اس کے مدیر رضی الدین رضی ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد کے اب تک اس میں ۳۲ کالم چھپ چکے ہیں۔ وہ اب فیس بک اور گرد وپیش میں لکھ کر اپنے شوق کی آبیاری کرتے رہتے ہیں۔ گرد وپیش میں لکھے گے کالمز اپنے وقت کی بڑی شخصیات اور ان کے کام کے تعارف پر مبنی ہیں۔ حالات حاضرہ اور ماضی کو وہ ان کالمز کا موضوع بناتے ہیں۔ وہ اس میں گاہے گاہے لکھتے ہیں مگر خوب لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد نے فرضی ناموں سے بھی اخباری کالم لکھے ہیں اور اس میں دوسروں پر خوب کیچڑ اچھالا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد اپنی کمزوریوں کو نہیں چھپاتے۔ وہ جیسے ہیں ویسے نظر آنا پسند کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی کا خاکہ بعنوان "محبت کی پھوار" میں ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس شخص کی زندگی اور رویے میں مجھے کہیں کوئی تضاد، کوئی کجی، کوئی ریاکاری، نظر نہیں آتی۔ جو لذت کلام کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اگر اس نے بیوی کی موت کی تمنا میں زندگی گزاری ہوتی، اگر اس نے نصابی اشعار کی تشریح کرتے کرتے خواتین سے ممتا کی بھیک مانگی ہوتی، اگر اس نے لوگوں کے کاموں کے عوض اعزازیہ وصول کیا ہوتا، اگر اس نے میری طرح فرضی ناموں سے اخباری کالم لکھ کر دوسروں پر کیچڑ اچھالا ہوتا۔" [۶]

انوار احمد کے کالم اپنے اندر بے پناہ خوبیاں رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند سے ملاقی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد کے کالمز کا پہلا وصف ان کے عنوانات ہیں۔ عنوان قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہی کالم نگار کی کامیابی ہے اور یہی اس کا مقصود بھی ہوتا ہے کہ اس کی بات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ اور اسے وسیع قارئیں کا حلقہ میسر آئے تا کہ وہ ان کی تربیت کرے اور ان کے ذوق کو پروان چڑھائے۔ اور ان تک اپنی بات پہنچائے۔

اکثر کالم نگار مخصوص موضوعات پر لکھتے ہیں اور ان کا مواد بھی محدود ہوتا ہے جب کے انوار احمد کے ہاں یہ بات نہیں ہے انوار احمد کے موضوعات بھی متعدد ہیں اور مواد بھی کثیر۔ کثیر مواد اور متعدد موضوعات کے ساتھ وہ ممتاز اور منفرد ہیں۔

ان کے موضوعات کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- "خالص سیاسی کالمز"
- "سماجی کالمز"
- "شخصیات پر مبنی کالمز"
- ان کی کتاب "یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" میں سے خاکوں پر مشتمل کالمز" ۔
- "عدالتی صورتحال پر مبنی کالمز۔"
- "جمہوریت اور اس کے متعلقات پر مبنی کالمز۔"
- "ادبی موضوعات پر مبنی کالمز۔"
- "روزمرہ واقعات پر مبنی ہلکے پھلکے شگفتہ کالمز۔"

کالم کا عنوان قاری کو اپنی طرف یا تو فوراً جذب کر لیتا ہے، یا اسے اچھال کر خود سے دور کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کے کالمز کے عنوانات لوگوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کروا لیتے ہیں.

درج ذیل عنوانات دیکھیے:

- "لال اشارے، کجھ تاں سوچو۔"
- "جادوگروں کی ضرورت۔"
- "غالب کے کاغذات نامزدگی مسترد کیے جاتے۔"
- "گونگا پہلوان، جمشید دستی اور نازو بگھیلا۔"
- " ٦۵ سالہ بچہ، دوستوں کی تلاش میں۔"
- "زکات کے مٹکے اور بینکوں سے معاف شدہ قرضے۔"
- "یہ بازی عشق کی بازی ہے۔"

- "جنرل مشرف کی پارٹی کا اچار۔"
- "پراٹھوں جیسے چہرے اور ٹھٹھرتے بچے قصہ مسلم ہائی سکول ملتان۔"
- "ماتھے پہ بوسہ دو۔"
- "مقتدرہ قومی زبان کی وفات۔"

ایک اور خوبی ان کے کالمز کی یہ ہے کہ کہ وہ انسانی قلبی صفات کا مظہر ہیں۔ درد مندی اور دل سوزی انسانی صفت ہے اپنے قرابت داروں اور متعلقین سے دلی محبت وہ وصف ہے جسے انسانیت کا نام دینا عین حق ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد اپنے کالمز میں اس وصف کا اظہار پرزور طریقے سے کرتے ہیں۔ اپنے کالم بعنوان "موت کی دستک، استاد کے در دل پر" یہ کالم فیض مصطفی رضوی کی موت کا نوحہ ہے۔ فیض، مفتی غلام مصطفی رضوی کے صاحبزادے ہیں اور انوار احمد کے شاگرد بھی، یونیورسٹی میں اس کے ساتھ بیتے لمحات کو، اس کی شخصیت کو، ٹوٹے دل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ کالم کا آغاز ہی ایک سوال سے کرتے ہیں کہ جنوبی پنجاب کے بچے فالج سے ہسپتالوں میں کیوں مر جاتے ہیں؟۔ ڈاکٹر انوار احمد کے سوال میں اس خطے کی محرومیاں، سیاست دانوں کی غفلت اور عوام کی جہالت بصورت جواب موجود ہے۔ ان کے اس سوال میں ان کا قلبی وصف درد مندی نمایاں ہے۔[۷]

کسی کو نصیحت کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد اس مشکل کام کو بھی خوب صورتی سے نبھاتے ہیں اور نتیجہ خیز بناتے ہیں وہ اپنے پڑھنے والوں کو چپکے چپکے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ہر دکھ کو اپنے لیے قوت بنائیں۔ فرماتے ہیں:

> "بہت کم ہیں جو خود سے بچھڑنے والوں کے دکھ کو قوت میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ ان کے نام پر ہسپتال، کتاب خانے اور درس گاہیں بناتے ہیں۔"[۸]

آپ اندازہ لگائیں کسی کو نصیحت کرنے کا اس سے بہتر اور طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ ناصحانہ انداز! ان کے کالمز کی خوب صورتی نہیں تو اور کیا ہے۔؟

وہ اپنے کالمز کو تاریخ بنا دیتے ہیں اپنے وقت کی بڑی شخصیات کا اپنے کالمز میں تعارف کرواتے ہیں۔ وہ بڑی شخصیات ماضی کی بھی ہو سکتی ہیں؛ اور حال کی بھی؛ وہ ادیب بھی ہو سکتا ہے؛ سیاست دان بھی؛ وہ عالم بھی ہو سکتا

ہے؛ اور عامی بھی؛ وہ ان کا دوست بھی ہو سکتا ہے ؛اور رقیبب بھی۔ غرض ماضی، حال، تہذیب، تخلیقات ملتانیات اور سرائیکیات ان کے کالمز میں مجتمع ہیں۔

وہ مولویت سے چڑتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان کی رائے کوئی اچھی نہیں رہی۔ ایک کالم میں فرماتے ہیں:

> ”میں بڑا بدنصیب ہوں کہ ایک آدھ مولوی استاد کے علاوہ کسی کی عزت نہ کر سکا۔ "فرماتے ہیں "ملائیت اور مولویوں سے میں بچپن سے دلبر داشتہ ہوں لیکن فیض کے والد اور پروفیسر مظہر سعید کاظمی سے ملنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ مذہبی لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں اور لائق احترام بھی۔“[۹]

زبان و بیاں تحریر کی روح ہوتے ہیں الفاظ و تراکیب مدعا پر دلالت کرتے ہیں۔ الفاظ و تراکیب اور پھر جملے فیصلہ کرتے ہیں کہ تحریر کنندہ کس حد تک اپنے ابلاغ میں کامیاب ہوا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کے کالمز کی زبان، الفاظ کا چناؤ، تراکیب کا استعمال اور اچھوتے جملے ان کے کالمز کو منفرد اور ممتاز بنا دیتے ہیں۔

وہ بعض تراکیب کے استعمال سے نہ صرف قاری کے علم میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ اس کے بر محل اور بروقت استعمال سے اس کی حس مزاح کے لیے تسکین کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان کے مختلف کالمز میں سے جو کہ روزنامہ دنیا میں چھپے ہیں چند تراکیب نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں:-

- عقل کی لوڈشیڈنگ، بے روزگار چڑے۔[۱۰]
- مردود جغرافیہ، گنجی قوم کی قیادت، مطالعہ پاکستان کا کیپسول۔[۱۱]
- سحر طراز، ملائمت بھری، دل فریبی، مامتا طلب زبان[۱۲]
- دلیپ کمار کٹ، راج کمار کٹ۔[۱۳]
- راندہ درگاہ، رونق بارگاہ، مقرب درگاہ، بگڑی اولاد کا تاوان[۱۴]
- اشک بہاتی تحریریں، خیال انگیز ارشاد[۱۵]
- دوراندیش تاجر، سرخ رو دلال، اسلم رئیسانی اسلوب[۱۶]
- جاذب اشک رومال، پیغمبری وقت، باباجی کی جوئیں[۱۷]

- اصحاب ذہن، جمہوریت کا گڑ، اقتدار کی دودھ شریک، تحریک عدم اعتماد کے ساہو کار[۱۸]
- ازلی قنوطی، سوگوار شکلیں، آخری ماتمی دھن، مشتاق اور ڈھیٹ قسم کے امیدوار۔[۱۹]

ڈاکٹر انوار احمد کے کالمز میں ادیبوں اوران کی تخلیقات کے ذکر کا ہونا ان کے کالم کی ایک اور خوبی ہے۔ ادبی ذوق اور کثرت مطالعہ کے سبب وہ ماضی کے واقعات، ماضی کے ادیبوں اور ان کی تخلیقات کا موقعے اور ضرورت کے مطابق ذکر کرتے ہیں اور اپنی بات کو مدلل، باوزن اور دل چسپ بناتے ہیں۔ جس کا قاری پر بڑا خوش گوار اثر پڑتا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

"فیصل آباد کے عبدالعزیز ہیں، جو مجھے اسلام آباد جاتے وقت اردو کے ایک بہت بڑے تخلیق کار "اسد محمد خان" کے افسانے "دارالخلافے اور لوگ" کا ایک اقتباس میسج کرنا نہیں بھولتے:" سلطانوں کو اپنے ڈھب کے کارندے مطلوب ہوتے ہیں، غبی اور لکیر کے فقیر اور سفاک جو شاہی احکام کی بجا آوری میں خوب مستعد ہوں۔" [۲۰]

ڈاکٹر انوار احمد کے کالمز ظرافت اور خوش طبعی کا عمدہ نمونے ہیں۔ وہ بڑی مہارت اور چابک دستی سے ہنستے اور ہنساتے ایسی بات کر جاتے ہیں کہ پردہ بھی رہ جاتا ہے۔ اصلاح بھی ہو سکتی ہے بلا دل آزاری پیغام بھی پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً محترمہ نرگس سیٹھی نے سید یوسف رضا گیلانی کی ادیبوں سے ملاقات کروائی اور اس کے کئی سیشن بھی ہوئے۔ جب محترمہ نرگس سیٹھی نے ڈاکٹر انوار احمد سے فیڈ بیک مانگا تو ڈاکٹر انوار احمد نے فرمایا:

"شریک ہونے والے اکثر ادیب خیال کرتے ہیں کہ ہمارے وزیر اعظم کی بول چال میں بہتری کے آثار ہیں۔" ڈاکٹر انوار لکھتے ہیں "اس کے بعد مجھے ایسے کسی دربار میں نہ بلایا گیا۔"[۲۱]

ان کے کالمز میں ادیبوں اور ان کی تخلیقات کا ذکر باکثرت ہے۔ یہ ذکر شگفتہ، ہلکے پھلکے اور مزاحیہ انداز میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں مصر کے نوبل انعام یافتہ ادیب "نجیب محفوظ" کے ایک یادگار ناول "عام سے لوگ" کہ کچھ جملے نقل کرنا چاہتا ہوں۔"[۲۲]

ایک اور حوالہ:

" میں اپنے آپ کو راجندر سنگھ بیدی کے ایک ڈرامے "خواجہ سرا" کا مرکزی خیال بتانے سے باز نہیں رہ سکتا۔" [۲۳]

" رغبت" کے عنوان سے ۴ مئی ۲۰۱۳ میں لکھے گئے ایک کالم میں فرماتے ہیں:

"اطہر رضوی ایک سماجی مورخ ہیں ان کی نئی کتاب "ڈوبتے سورج کے سائے" پاکستان کے تناظر میں بہت اہم سوالات لیے ہوئے ہے۔" [۲۴]

جملہ سازی ایک فن ہے اور بڑے ریاض کے بعد لکھاری اس فن میں طاق ہوتا ہے۔ انوار احمد جملہ گری کے گرو ہیں۔ ان کے جملے معنویت کے کئی عکس لیے ہوئے قاری کو تفکر پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بعض جملے ان کی طرح کوئی اور لکھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی ذات پر ایسے جملے لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ۱۳ مئی ۲۰۱۳ء روزنامہ دنیا کے کالم میں لکھتے ہیں:

" میں بد قسمتی سے ان لوگوں میں سے ہوں جن کا سینہ بھی چہرے کی طرح ایمان کی روشنی سے محروم ہے اور بقول منور حسن مدظلہ کے خیال انگیز ارشاد کی روشنی میں مجھے دیکھیں تو دور سے ہی نہیں قریب سے بھی اقلیتوں میں سے دکھائی دیتا ہوں۔" [۲۵]

۲۷ اپریل ۲۰۱۳ء کے کالم "چھوڑ بابل کا گھر" میں ایک جملہ لکھتے ہیں کہ جب ذرائع مواصلات نہ تھے تو بیٹیوں کی خبر گھر والوں تک کیسے پہنچتی تھی، لکھتے ہیں:

" کبھی کبھار کوئی سیاح یا سادھو خبر لاتا کہ ہم نے تمہاری لاڈلی کی آنکھوں میں دیکھا تھا کہ کاجل ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔"

[دنیا (روزنامہ)، "چھوڑ بابل کا گھر"، ۲۷-اپریل ۲۰۱۳ء]

انوار احمد اپنے کالمز میں ایک رنگ یہ بھی بھرتے ہیں کہ بڑے شعراء کے کلام میں سے کوئی ٹکڑا، مصرع یا کوئی معروف قول لے کر اپنے کالم میں فٹ کر دیتے ہیں۔ جو کالم کی جاذبیت بڑھا دیتا ہے۔ قاری کو بڑے شعر میں سے کوئی حصہ، کوئی ترکیب، کوئی خیال نصیب ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کے عقل کو جلا علم کو بڑھوتری دل کو سکون اور ذوق کو تربیت نصیب ہوتی ہے۔

ایک نمونہ پیش خدمت ہے:

"ہم جنہیں یہ زعم رہا کہ ہم نے ایک سپر پاور روس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گزشتہ دو عشروں سے محض سا گودانہ لے رہے ہیں۔"[۲۶]

اردو زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ سمونے کی زوردار صلاحیت موجود ہے۔ زبان کی ترقی، زندگی اور نمو کے لئے یہ خوبی لازم ہے۔ اس زبان میں عربی، فارسی، انگریزی، ہندی زبان کے با کثرت الفاظ موجود ہیں۔ مقامی بولیوں نے بھی اپنے الفاظ اسے دیے ہیں۔ سرائیکی زبان ایک بڑی زبان ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کی مادری زبان بھی سرائیکی ہے۔ انہوں نے اپنے کالمز میں جہاں مناسب سمجھا ہے سرائیکی زبان کا استعمال کیا ہے۔ ایک کالم میں لکھتے ہیں: ایک بزرگ صحافی کہتا تھا "سائیں تساں ای کرنے جو کجھ کرنے میڈے کولوں کوئی توقع نہ رکھائے اصلوں۔" مطلب اس کا یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہے آپ نے خود کرنا ہے مجھ سے بالکل امید نہ رکھیں۔[۲۷]

ڈاکٹر انوار احمد کے کالمز کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے کالمز میں ادیبوں کی تخلیقات کو معروض کے لیے حوالہ بنا دیتے ہیں۔ وہ اپنے کالمز میں ملکی اور غیر ملکی سب ادیبوں کو ضرورت کے تحت پوری جگہ دیتے ہیں۔ وہ معروضی حالات پر لکھتے ہوئے با مقصد طنز کرتے ہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں: "جمشید دستی اپنے علاقے میں رابن ہڈ کا مقامی ایڈیشن ہے۔" [۲۸]

مزید دیکھیے:

- " ارسطو کی بوطیقا" کے حوالے سے المیے اور طربیے کی فنی نزاکتوں کے فرق پر بات کرتے ہوئے میں ہمیشہ شاگردوں سے کہتا تھا کہ یہ طبقاتی مسئلہ ہے۔" [۲۹]
- ماضی قریب میں ان کا عمران کے بارے میں یہ گمان تھا: " جنگل میں رکی پاکستانی گاڑی عمران چلا سکتا ہے" جس کا نقشہ شوکت تھانوی نے اپنے لازوال مضمون "سودیشی ریل" میں کھینچا ہے۔" [۳۰]

سیاسی حالات پر ان کی گہری نظر ہے۔ جب وہ حالات کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب کچھ نمایاں کر دیتے ہیں۔ ان کے تجزیے کے بعد سمجھ کا، رکا ہوا پانی رواں ہو جاتا ہے۔ نڈھال پانی میں تیزی اور گدلے پانی میں ستھرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ جملوں کی کاٹ دیکھیے:

- "ہمارے آپس میں بھی بہت سے قرض باقی ہیں۔ سیاست دانوں کے، فرقہ واریت کی پرچارک تنظیموں کے، اگر ایک ڈیڑھ ماہ خیریت سے گزر گے، ووٹر کو یقین ہو گیا کہ وہ بلٹ کے ذریعے

نہیں، بلٹ کے ذریعے ، برچھی کی اعانت سے نہیں پرچی کی مدد سے تبدیلی لا سکتے ہیں ۔ اگر اسی دوران کسی سمجھدار سیاسی قیادت اور جماعت نے عام آدمی کے غصے اور آزردگی کو امید میں بدل دیا تو آپ حیران کن نتائج دیکھیں گے۔ آثار تو یہی ہیں آزمودہ قیادت کی رخصتی طے ہے۔"[۳۱]

انوار احمد کا چیزوں پر نقد نزولی، تدریجی بے رحم اور ہر طرح کے خوف سے ماورا ہوتا ہے۔ محبت اور عقیدت انسان کو تنقیدی دروازہ نہیں کھولنے دیتی۔ تنقید کرتے ہوئے وہ محبت اور عقیدت کا دروازہ نہیں کھولتے ۔ وہ اس میدان میں کسی کو نہیں بخشتے۔ انوار احمد سیاست دانوں، گدی نشینوں، پیروں ادیبوں، دوستوں اور خود اپنے آپ کو بھی معاف نہیں کرتے۔ ان کے ملنے والے ان سے شکوہ کرتے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی زبان اور دل دونوں میں بگاڑ ہے۔ عتیق فکری ملتان کا ایک بڑا علمی نام تھا۔ ان پر تنقید کر کے انھوں نے ان کو ناراض کر دیا مثبت یا کبھی کبھی شرارتی تنقید بھی ان کے کالمز میں وصف کے طور پر موجود ہے۔ لکھتے ہیں:

"علامہ عتیق فکری ہماری دعوت پر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی میں پرانے زمانے کے کسی شیخ کے فضائل بیان کر رہے تھے جب انھوں نے پرانے زمانے کے کسی قحط کا ذکر کیا اور کہا کہ ہمارے شیخ اتنے کشادہ دل تھے کہ انھوں نے غلے سے بھرے اپنے درجنوں گودام لوگوں پر کھول کے ارزاں کر دیئے۔ میں نے علامہ صاحب سے پوچھا یہی بھرے گودام تو شہر کے قحط کا سبب نہیں تھے؟ عتیق فکری بہت کشادہ دل تھے مگر تین چار ہفتے مجھ سے روٹھے رہے۔ جب ملے تو یہ سرٹیفکیٹ دیا" یار تیری زبان اور دل کے بگاڑ کا ہمارے پاس علاج نہیں۔"[۳۲]

ان کے کالم طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ان کو کام پر ابھارتے ہیں، ان کو کام پر مجبور کرتے ہیں۔ انوار احمد اپنے کالمز کے ذریعے رابطے کا، راہنمائی کا کام ہمیشہ جاری رکھتے ہیں۔ انوار احمد کے جملے:

"ایک قتل جو نہ ہوا" رؤف کلاسرہ کی تازہ ترین کتاب ہے "وہ اپنوں کو خیر کی طرف اپنے کالمز کے ذریعے بلاتے ہیں، لکھتے ہیں:

"رؤف کلاسرہ بہت محنتی ہے مگر دن چڑھے تک سونے کی اس کی عادت مجھے ناپسند ہے۔"

لوگ خوف کی وجہ سے، لحاظ اور رکھ رکھاؤ کے سبب خاموش رہنا پسند کرتے ہیں اور حق بات کرنے سے چوک جاتے ہیں جب کہ انوار احمد ایسے نہیں ہیں۔ وہ اپنے کالمز میں جسے حق سمجھتے ہیں اسے بہانگ دہل بول دیتے ہیں ۔ نمونہ:

"جنرل جیلانی کے صاحبزادے کے ذریعے پولیس افسران کی ایک کھیپ کو میں نے میاں صاحبان کی تحویل میں جاتے دیکھا ہے مجرم کو قانون کے محافظ کی وردی پہنا کر ہم سندھ میں یہ کام کریں یا پنجاب میں یا کہیں اور یہ قومی جرم ہے۔" [۳۳]

وہ اپنے کالمز میں مذہبی رسومات جو کم علم مولویوں کی گرفت میں ہیں ان پر نقد ذہانت اور تخلیقیت سے کرتے ہیں۔ الفاظ کا چناؤ محتاط ہوتا ہے تاکہ مذہبی فتنہ پروروں سے محفوظ رہیں۔ لمبی دعا، لمبی نماز کے بارے میں ان کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

"چار گھنٹے مولوی کی حراست میں رہنے سے بہتر ہے کہ اللہ سے براہ راست معافی مانگ لی جائے"

"پچاس منٹ پر محیط دعا کے اختتام پر ایک مقبول مطالبے میں بے حد معنی خیز ترمیم ہو چکی تھی اللہ تعالیٰ ہمیں کفار پر فتح عطا کر بغیر لڑے۔" [۳۴]

وہ اپنے کالمز میں اپنی تخلیقات کا تعارف کرواتے ہیں، اپنے معاونین کے ساتھ ساتھ اپنے نفسیاتی مسائل کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"افسانے لکھنے تو زمانہ طالب علمی سے شروع کیے مگر مجموعے کی اشاعت کے سلسلے میں ایک حجاب سا رہا جسے "ایک ہی کہانی" کو کتابی صورت دینے والے علم دار بخاری، خالد سعید اور اصغر ندیم سید نے دور کیا۔" [۳۵]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر انوار احمد کا سیاسی مذہب بھٹو ہے۔ وہ ان سے محبت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ عوام کی بات کرتے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود بوقت ضرورت انہوں نے اپنی محبوب جماعت پیپلز پارٹی کو بھی اپنے کالمز میں لتاڑا ہے۔ اور اس جماعت اور اس کے قائدین پر بھرپور تنقید کی ہے۔ تاکہ اس جماعت کا رشتہ عوام سے ٹوٹنے نہ پائے۔ ملتان بلاول بھٹو کی آمد پر انھوں نے "گردوپیش" میں ایک کالم لکھا جو اپنوں پر نقد کی خوبی سے مزین ہے۔ فرماتے ہیں:

> "ایک سیمینار میں بی بی کے سامنے ایک مضمون پڑھتے ہوئے میں نے کہا"بی بی آپ قید و بند، جلاوطنی اور تذلیل و تشدد کا سامنا کرنے والے کارکنوں سے کہتی ہیں کہ حقائق کا ادراک کریں!" [۳۶]

بلاشبہ ڈاکٹر انوار احمد کی کالم نگاری نے کالم نویسی کو ادبی مقام و مرتبہ سے ہم کنار کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، یادگار زمانہ ہیں جو لوگ(جہلم: بک کارنر، ستمبر-۲۰۲۱ء)، ص ۳۴۴۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۰۴۔

۳۔ مسرت بانو، ڈاکٹر، ڈاکٹر انوار احمد شخصیت اور فن (سرگودھا: شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۷ء)، ص ۲۹۱۔

۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "اہل کوفہ کی اولاد"، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۵-ستمبر ۲۰۱۲ء۔

۵۔ مسرت بانو، ڈاکٹر، ڈاکٹر انوار احمد شخصیت اور فن، ص ۲۹۶۔

۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، یادگار زمانہ ہیں جو لوگ، ص ۱۳۹۔

۷۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "موت کی دستک استاد کے در دل پر"، مشمولہ: دنیا (روزنامہ)، ۲۱-فروری ۲۰۱۳ء۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "شبھ گھڑی کی تلاش"، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۳-اپریل ۲۰۱۳ء۔

۱۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "رغبت"، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۴ مئی ۲۰۱۳ء۔

۱۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’جادو گروں کی ضرورت‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، مئی ۲۰۱۳ء۔

۱۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’ چھوڑ بابل کا گھر‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۷۔ اپریل ۲۰۱۳ء۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’یہ زمین رہن شدہ نہیں‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۳ مئی ۲۰۱۳ء۔

۱۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’ المیہ یا طربیہ‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۵- مئی ۲۰۱۳ء۔

۱۷۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’لال اشارے کجھ تان سوچو‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۸ – مئی ۲۰۱۳ء۔

۱۸۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’ مارگریٹ تھیچر کا مشورہ‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۷- اپریل ۲۰۱۳ء۔

۱۹۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’امپائروں کے لیے سزا‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۶- اپریل ۲۰۱۳ء۔

۲۰۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’اسلام آباد کے بزرگوں سے ملاقات‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۲۷- فروری ۲۰۱۳ء۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’المیہ یا طربیہ‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۵ مئی ۲۰۱۳ء۔

۲۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’انتخابات، فیصلے اور عمل، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۲- مئی ۲۰۱۳ء۔

۲۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’ رغبت‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۴ مئی ۲۰۱۳ء۔

۲۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’یہ زمین رہن شدہ نہیں‘‘، "دنیا" روزنامہ، ۱۳ مئی ۲۰۱۳ء۔

۲۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’۶۵ سالہ بچہ دوستوں کی تلاش میں‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۴- مارچ ۲۰۱۳ء۔

۲۷۔ ایضاً۔

۲۸۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’المیہ یا طربیہ‘‘، مشمولہ: ’’دنیا" روزنامہ، ۱۵- مئی ۲۰۱۳ء ۔

۲۹۔ ایضاً۔

۳۰۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’لال اشارے کجھ تان سوچو‘‘، مشمولہ: ’’دنیا‘‘ روزنامہ، ۸ – مئی ۲۰۱۳ء۔۔

۳۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’دوسرائیکی صوبے‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۳۱- جنوری ۲۰۱۳ء۔

۳۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’دل اور زبان کا بگاڑ، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۰ نومبر ۲۰۱۲ء۔

۳۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’تاریخ کی بارگاہ میں ایک اور کتاب‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۲- نومبر ۲۰۱۲ء۔

۳۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ’’ایک گناہ گار کے اعترافات‘‘، مشمولہ: "دنیا" روزنامہ، ۱۱- ستمبر ۲۰۱۲ء۔

۳۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آن لائن اخبار گردوپیش، ۱۵ -فروری ۲۰۲۲ء۔

۳۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آن لائن اخبار گردوپیش، ۴- ستمبر ۲۰۲۱ء۔